

ابھر آئے تھے، بڑی دیر تک میں باہر کوٹھے پر ٹھلتا رہا۔ یکدم مجھے اپنی گدی سے کئی سمتوں میں آوازیں آنے لگی تھیں۔ میں نے کئی بار پلٹ کر دیکھا، جیسے میرے سر کے ساتھ کوئی اور سر جوڑے ٹھل رہا تھا۔ پھر کمرے کا روشندان آنکھ کی پتلی کی طرح کھلنے اور بند ہونے لگا..... آسمان کی کمر میں چاند کا خنجر بندھا تھا۔ مجھے یوں لگا۔ جیسے ابھی ایک نا دیدہ ہاتھ کمر بند سے یہ خنجر کھول کر میرے سینے میں پیوست کر دے گا۔ میرے معدے میں یکدم بہت سا تیزاب جمع ہو گیا۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟
انسانی رشتے؟..... نفرتیں محبتیں؟
یہ سب کچھ کیا ہے۔
زندگی کا سفر؟
ہمیں کیا چاہیئے؟..... ایک دوسرے سے؟..... اپنے آپ سے؟
عمر کا فریب، عقل کا فریب، محبت کا فریب..... معاشرہ اور فرد..... فرد اور قانون..... قانون اور قانون فطرت..... ان سب کی حدیں کون سی ہیں؟
ایک آدمی کیا صرف جسمانی طور پر کسی اور کو ہلاک کر سکتا ہے کہ ہلاک کرنے کے لیے جسم کی قید نہیں.....؟

سوال بڑے بھنور میں چھوٹے تلاطم بن کر گھوم رہے تھے۔ کئی حقیقتیں، کئی عزائم کئی جھوٹ کئی سوچیں آپس میں مشین کی سلانی جیسی جڑتی جا رہی تھیں۔ مجھے اب سیبی کی تلاش نہیں تھی، اس کا مرنا ہولے ہولے حقیقت بن چکا تھا۔ لیکن اس کی موت نے ان گنت جاگتے سوالوں کو جنم دے دیا۔ جس طرح مشین کے پرزے کھوچلے ہو کر آوازیں دیتے ہیں اور ان میں پہلے سی تیزی نہیں رہتی، ان سوالوں نے بے نام جستجو بے معنی تلاش نے مجھے کھوچلا کر دیا تھا۔ میں اب زندگی کے پیٹرن پر چلتا ہوا اندر سے آوازیں دینے لگا تھا۔ عابدہ ہوتی تو یہ آوازیں مدھم ہو جاتیں۔

لیکن کبھی مکمل طور پر ختم نہ ہوتیں۔ ان ہی نے مجھ پر عجیب قسم کی وارنٹی اور دیوانہ پن طاری کر دیا تھا۔ کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا کہ میرا وہ نام نہیں ہے جس سے لوگ مجھے پکارتے ہیں۔ اصلی نام یاد کرنے کی کوشش کرتا تو وہ یاد نہ آتا۔ کبھی مجھے لگتا کہ میں جن لوگوں سے ملتا ہوں ان کو میں نے کبھی پہلے بھی دیکھا ہے میں ان کی پرانی ملاقاتوں کو ذہن میں ابھارنے کی سعی کرتا تو بیکار نکلتی۔ کچھ چہرے کالج کے دوست، پروفیسر بھائی مختار صولت بھائی ان کے بچے مجھے بالکل اجنبی لگتے۔ مجھے اپنے آپ سے پوچھنا پڑتا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور میری طرف پر امید مشتاق نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں؟..... جب تک عابدہ میرے پاس رہتی تھی ان بے سمت سوچوں سے چھٹکارا ملتا رہتا۔ اس کے جاتے ہی ہر طرف سے ریل گاڑیاں چلنا شروع ہو جاتیں اور مجھے لگتا کہ ابھی وہ میری ذہن میں پہنچ کر آپس میں ٹکرائیں گی۔ بڑا ادھما کا ہوگا اور میری کھوپڑی پاش پاش ہو جائے گی..... ان ہی سوچوں نے مجھے اپنی نوکری میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

چاند کا خنجر غروب ہو گیا۔ اب کوٹھے پر سڑک کے کھمبے کی پھکی روشنی تھی۔ عابدہ کے آنے سے بہت پہلے اس کے سلیپروں کی آواز آئی۔ میرے دل کو ہلکی سی ڈھاریں ہوئی۔

”یہاں کیا کر رہے ہو اکیلے؟“

میں چپ رہا۔

”اگر تمہارے لیے چائے رکھ گئی تھی۔“

”شکریہ..... پڑی ہوئی ہے سات گھنٹے سے۔“

”کیسے بول رہے ہو؟“

”جیسے بولا کرتے ہیں۔“

”بڑا دکھا طریقہ ہے تمہارا مہمانوں کے ساتھ..... نہ بیٹھنے کو کھانا آنے کی وجہ

دریافت کی۔“

”بیٹھ جاؤ اندر جا کر۔“

”اکیلی.....؟“

”عورتیں اکیلی بیٹھی اچھی لگتی ہیں۔ کوئی انہیں ستاتا نہیں۔“

”پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں آئی ہوں۔“

میں نے سگریٹ سلگایا اور شہ نشین پر بیٹھ کر بولا..... ”ضرور کوئی معقول وجہ ہوگی

کیونکہ تم ہمیشہ میرے پاس معقول وجہ سے آئی ہو۔“

”بڑے کمینے ہو وحید کی طرح۔“

”ہم مردوں کی ایک ہی ذات ہوتی ہے اللہ کے فضل سے۔“

”اندر آؤ ایک بات کرنی ہے تم سے۔“

کچھ دیر میں اکیلا بیٹھا رہا۔ نافرمانی پر طبیعت مائل تھی۔ لیکن زیادہ دیر رہ نہ سکی۔

بالآخر میں اٹھ کر اندر چلا گیا۔ عابدہ آج سفید کپڑوں میں بڑی ستھری اور ماڈرن لگ

رہی تھی۔ پلاسٹک کے تمام زیور غائب تھے۔ لپ سٹک کا نشان تک نہ تھا۔ دھلے

بالوں کی چھوٹی..... پاؤڈر لگی گردن سے لپٹ کر کندھے سے سینے پر لٹک رہی

تھی۔

”یہ تمہاری کیا عادت ہے موٹر سائیکل نیچے دھرا اور بغیر سلام دعا اوپر..... دھن

جگرا ہے بھابھی صولت کا..... میں تو ایک دن میں نکال دوں گھر سے..... یہ گھر ہے

کوئی ہوٹل تو نہیں ناں۔“

”بھائی مختار میری طبیعت کو سمجھتے ہیں۔“

”تم وحید کو تو مل لیتے..... اچھی بے نیازی ہے تمہاری۔“

جیسے کسی نے گرم پانی میں مجھے غوطہ دیا۔ اندر باہر تمام زخم کھل گئے۔

”میرا تو خیال تھا کہ سو برس کتے کی دم سیدھی کرو نہیں ہوتی۔ پر اس کو تو جلدی ہو

ش آگئی۔“

اس کے چہرے پر ہنسی تھی..... خوشی کا گلال بکھرا تھا۔

”ایسی معافیاں مانگی ہیں بھابھی صولت سے۔ کیا ہاتھ جوڑ جوڑ کر وعدے کیے

ہیں۔ اپنے علاج کا بھی وعدہ کر لیا ہے۔“

میرادل یکبارگی کانپنے لگا..... اس کی ہنسی میں فتح تھی مسرت تھی۔

”سنو عابدہ..... تمہارا خیال ہے وہ بدل چکا ہے۔ اب وہ تمہیں بہتر طور پر رکھے گا

جان من کوئی شخص کسی کی خاطر نہیں بدلتا نہیں بدل سکتا..... ایک بار تم چچا وطنی پہنچ

گئیں تو پھر وہی بک بک جھک جھک ہو گئی۔“

وہ کچھ دیر چپ چاپ مونگ پھلیاں چھلتی رہی۔

”اب میں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتی ناں بھابھی صولت کے پاس..... بچاری

بہت عزت کرتی ہیں۔ لیکن کوئی کسی کو کب تک رکھ سکتا ہے..... اب عزت سے لے

جائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“

”تم تو کہتی تھیں کہ اگر ایک لاکھ روپیہ بھی کوئی دے تو میں کبھی وحید کے ساتھ نہ

جاؤں۔“

تک کروہ بولی..... ”یہ میں نے کب کہا تھا۔ میں تو بس اس کی شکایتیں کرتی

تھی۔“

”ان ہی شکایتوں پر بھروسہ کر کے میں نے کہیں اندر ہی اندر تم پر اعتماد کر لیا۔ تم

..... تم میری شکتی ہو عابدہ..... تمہارے بغیر میں.....“

یکدم میں چپ ہو گیا..... اس بے سود تلاش سے فائدہ۔

”کمال ہے..... میں تو ہر وقت وحید کو ہی یاد کرتی رہی ہوں قیومی..... جیسے تم سبھی

کو یاد میں کھوڑے رہے ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سبھی تمہاری بیوی نہیں تھی اس لیے

تم صرف اس کی اچھی باتیں یاد کرتے تھے، میں وحید کی بیوی ہوں اس لیے اسے یاد

کرنے کا میرا طریقہ مختلف تھا۔ یا تو ہم دونوں ہی کرتے تھے ناں؟“

اس کے نزدیک ساری بات کل اتنی تھی۔ اتنی مختصر سادہ اور سچی۔

اس وقت مجھے پتہ چلا کہ یہ سیاہ گوش جیسے مردار سمجھ کر میں کئی مہینوں سے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اور اسے مردہ سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کا پروٹو پلازم بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ یہ سیاہ گوش مرا ہوا نہیں تھا۔ صرف کچھوئے کی طرح مردے پن کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ مجھے جھپٹے دیکھ کر اس نے جھر جھری لی اور ترنت جنگل کو روانہ ہو گیا۔

”اچھا تو قیومی اب میں چلوں..... اللہ تمہاری مدد کرے۔ خدا قسم مجھے کبھی کبھی تو تم پر واقعی ترس آ جاتا تھا۔“

وہ اٹھ..... کھڑی ہوئی اس کے اٹھنے کے انداز میں قطعیت تھی۔

”تم اس حیوان کے ساتھ نہیں رہ سکتیں..... وہ تمہیں نہیں سمجھتا..... اس کا علاج نہیں ہو سکے گا عابدہ۔“

”یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا۔“

واقعی یہ میں کیسے کہہ سکتا تھا کہ وحید اسے نہیں سمجھتا اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔

”عابدہ میں ان گنت سوالوں میں گھرا رہتا ہوں..... اتنے سارے سوال..... کہ میرا اپنا وجود ان میں کھو گیا ہے..... تم جب تک ہوتی ہو..... مجھے یقین رہتا ہے کہ میں ہوں ورنہ..... ورنہ.....“

”تمہارا صرف اتنا قصور ہے قیومی کہ تم رشتہ داروں میں نہیں رہتے پودے کو جڑ چاہیے کھڑا رہنے کو.....“

”صرف تم میری جڑ بن سکتی ہو..... صرف تم“

”مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تم پاگل ہو دراصل اس کالج کی کم بخت نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے..... تمہارے دماغ کو گرمی ہو گئی ہے..... کسی دماغی امراض کے

ڈاکٹر سے ملو قیومی خدا کے لیے۔“

”تم اگر یہاں رہو گی تو..... میں ٹھیک ہو جاؤں گا رشتہ داروں سے ملنے لگوں گا..... اگر تم ایسے نہ رہنا چاہو گی تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔“

”ہے نامت ماری گئی تمہاری..... میں کیوں نکاح پر نکاح کروں گی؟ اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

پتہ نہیں کیوں میری آنکھیں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے عابدہ سے محبت تھی۔ میں اس سے بچھڑنا نہ چاہتا تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی۔ وہ میری زندگی کے منفی پیٹرن میں ایک مثبت سہیل تھی..... یقینی چیز تھی..... باقی سب کچھ غیر یقینی۔

”نیچے چل کر وحید سے نہیں ملو گے؟“

میں نے منہ پر لے کر لیا..... میں کسی گنجے کو متھاٹھینے نہیں جاسکتا اس وقت۔“

”لیکن آخر ہوا کیا ہے..... میں اس کی بیوی ہوں اب وہ لینے آیا ہے تو کیا میں اس کے ساتھ بھی نہ جاؤں خیر سے۔“

”ضرور جاؤ.....“ میں اونچے درخت کی آخری شاخ پر بوڑھے گدھ کی طرح چپ چاپ ہو بیٹھا۔

”عجیب پٹھا دماغ ہے تمہارا..... کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرو جلدی سے جلدی۔“

”اور تمہارا دل بھی عجیب ہے..... اتنا کچھ تمہارے جسم کے ساتھ ہوا۔ اس پر رتی اثر نہیں ہوا؟“

”واقعات پر اپنا بس تھوڑی چلتا ہے گناہ تو آدمی سے ہوتے رہتے ہیں۔ بندہ بشر جو ہوا۔ تو بہ کر لے بس..... آئندہ کے لیے..... اللہ معاف کرنے والا ہے۔

’بس ساری اتنی سی بات ہے؟‘

وہ کھسانی ہو کر بولی..... ”اچھا نیچے چل کر وحید سے ملو۔“

”جانے دو عابدہ تم سب ایک سی ہو۔“

آج وہ اندر باہر بہت خوش تھی اسے اس بات پر بھی غصہ نہ آیا۔

”کسی ہیں ہم سب؟“

”جیسی بھی ہو ایک سی ہو۔“

میں نے چادر چہرے پر کھینچی۔ میرا خیال تھا وہ چادر اتارے گی غصہ جھاڑے گی ہمیشہ کی طرح بلائے گی منائے گی لیکن وہ کچھ دیر کھڑی رہی۔ پھر توبہ استغفار پڑھنے کی آواز آئی۔ بعد ازاں کمرہ اس قدر چپ ہو گیا کہ چادر کے اندر مجھے خوف آنے لگا۔

کچھ دیر بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ کمرہ گسوں کو منانے کوئی نہیں آئے گا تو میں نے چادر سے باہر سر نکالا۔ چائے کا سامان ٹرے میں دھرا تھا۔ دونوں پیالیوں میں ٹھنڈی چائے پر کریم کی جھلی چڑھی ہوئی تھی۔ پائنتی مونگ پھلیوں کے چھلکوں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا اور ان کے قریب عابدہ کے سفید سلیر پڑے تھے..... ربڑ کے سفید قینچی سلیر۔

میں نے اٹھ کر ان سلپروں کو غور سے دیکھا پر نام کیا اور پھر پلنگ کی چادر سے صاف کر کے الماری کی اوپر والی شلف میں رکھ دیا۔ اس کے پاس ہی میری ماں کی چھوٹی سی تصویر فریم میں جڑی ہوئی پڑی تھی۔ شاید اسی جذبے کے ساتھ راجہ بھرت نے بن باسی مہاراجہ رام چندر کی کھڑاویں راج سنگھاسن پر رکھی ہوں گی..... عابدہ کے چلے جانے کے بعد بہت عرصہ میرے دل پر اس کا راج رہا۔

دوسری صبح جب میں نیچے گیا اور میں نے مختار بھائی سے موٹر سائیکل مانگی تو مجھے پتہ چلا کہ عابدہ اپنے وحید کے ساتھ چیچہ وطنی جا چکی ہے۔

اس کے بعد میرے معدے میں پھر جلن رہنے لگی اور میں Anxiety کا شکار ہو گیا۔ دراصل گیس جلن اور تخیل کا میرے اندرونی اعضا سے اس قدر گہرا تعلق نہ تھا۔

جس قدر میری ذہنی شلستگی اور گولگوں کا عالم جسمانی ریخت کا باعث بنتا مجھے شہر میں کئی ڈاکٹر بدلنے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ وہ مجھے Antiacid دوائیاں دیتے۔ دودھ پینے کی ہدایت کرتے۔ مرچ مسالے والی چیزوں سے پرہیز کرنے کو کہتے اور اصرار کرتے کہ میں اپنا آپ ڈھیلا چھوڑ کر فلکروں سے آزاد ہو جاؤں۔ تمام ڈاکٹروں کے نسخے تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ وہی رہتے تھے۔ ڈاکٹروں سے اکتا جاتا تو حکیموں کی بیٹھکوں پر جانے لگتا۔ تبخیر معدہ جلن اور سوزش کے لیے وہ مجھے پلاسٹک کی ڈبیوں میں مجونیں اور جوارش دیتے۔ عرق کی بوتلیں میرے سر ہانے دھری رہتیں۔ حتیٰ کہ ان میں ہلکا ہلکا کاغذی سفوف سا تیرنے لگتا۔ ڈاکٹروں حکیموں کے علاوہ ہومیو پیتھک اور بائیو کیمک دوائیوں کا بھی کمرے میں انبار لگ گیا..... جس وقت عابدہ گھر کو آنا فانا چھوڑ کر گئی اور میرا منہ کر دے لعاب سے بھرا رہنے لگا۔ میں نے کئی در کھٹکھٹائے۔

صحت کی تلاش میں ایک روز میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر فیضی کے پاس چلا گیا جس سے میری پرانی جان پہچان تھی۔

آئیے آئیے..... انہوں نے دروازہ کھول کر کہا۔

”آئیے السر کا کیا حال ہے؟“

”آپ باقاعدگی سے کالی فاس تھری کھاتے رہتے تو افاقہ ہو جاتا۔“

”کھاتا رہا ہوں جی۔“

بیٹے! ہومیو پیتھک میں بس یہی خرابی ہے یہ تو مائی سین سے بھی زیادہ باقاعدگی

سے کھانا پڑتی ہے۔“

ڈاکٹر نے اپنی کاپی نکالی اس میں وہ صفحات نکالے جن میں میرے سسٹم لکھے

ہوئے تھے۔

نیند کا کیا حال ہے“

”بہت خراب۔ آہستہ آہستہ میں نے بے دھیانی سے جواب دیا۔

”جمائیاں۔“

”آ نے لگیں تو بہت آتی ہیں۔“

”خواب؟“

”پریشان۔“ میں نے جواب دیا۔

”آنکھ پھڑکتی ہے اور کئی کئی گھنٹے پھڑکتی رہتی ہے؟ اس نے پوچھا

”جی..... درست ہے۔“

”کوئی آنکھ؟.....“ سوال ہوا۔

’باتیں؟‘

’کھلی؟‘

’ران پر..... باتیں‘

’اند رکی طرف کہ باہر کی طرف۔‘

’اند ر..... کی جانب‘

وہ آہستہ آہستہ تمام سسٹم نوٹ کرتا رہا اور پھر اٹھ کر دوایوں کی الماری کے سامنے

جا کھڑا ہوا۔ اس وقت کوٹر کلینک میں داخل ہوئی۔

وہ بیاہی ہوئی بیگموں کی طرح باقاعدہ موٹی ان کلچرڈ اور باتونی ہو چکی تھی۔ ہم

دونوں ڈاکٹر کو بھول بھال کر بڑی دیر تک سوشیا لوجی ڈیپارٹمنٹ اور ہم جماعتوں کی

باتیں کرتے رہے۔ ہر بار میں اس سے سیبی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن

پتہ نہیں کیوں زبان اسی لفظ سے گریز کر رہی تھی۔ سیبی کا ذکر کرنے کی آرزو نے مجھے

پروفیسر سہیل کی باتیں کرنے پر مجبور کر دیا۔

’ہائے پتہ ہے قیوم مجھے پروفیسر سہیل نے بڑا disappoint کیا۔ وہ میرے

ہر بنڈ کے ساتھ یونیورسٹی میں ہیں ناں آج کل۔ یاد ہے ناں ہم سب ان کو کتنا

idolize کیا کرتے ہیں۔“

”میں تو اب بھی انہیں پوجتا ہوں۔“

”چھوڑو..... بڑے تکلیف دہ آدمی ہیں۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ اور

اتنا چھوٹا Behave کرتے ہیں۔“

”واقعی؟..... میں نے مجرح ہو کر کہا

”میرے ہر بند کہتے ہیں ذرا فوج نہیں ہے سارا بولتا ہے۔ ذرا حافظہ اچھا ہے

کتابیں جلدی رٹ جاتی ہیں۔ ان کے اقتباس استعمال کرتے رہتے ہیں۔“

میرے سامنے پروفیسر سہیل آکھڑا ہوا۔ مجھے پروفیسر کا بڑا اچھا تجربہ تھا خلیکن ہر

آدمی غالباً کانوں کا کچا ہوتا ہے کوثر کی بات نے میرے اعتبار میں چھید کر دیئے پیرا
فزکس پر مضمون لکھنے والا بھی ہی نکلا۔

”اب بھی younger generation اس کے چنگل میں پھنس جاتی ہے لیکن

فائدہ؟“

”جو آدمی کے ٹوجھنی اونچی باتیں کرے اور اپنے انیسویں گریڈ کے لیے مرتا کھپتا

رہے Strukes کروائے کلاسوں سے واک آؤٹ کرے..... وہ بالکل عظیم نہیں

ہو سکتا

کیوں؟“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں ابھی تک پروفیسر سہیل کی شخصیت سے متاثر تھا۔ میں

نے کوثر سے یہ بات چھپائی کہ میں وقتاً فوقتاً ان سے ملنے یونیورسٹی جاتا رہتا ہوں۔

”تمہیں ایک secret بتاؤں..... کوثر میری کرسی پر جھک کر بولی۔

”ہاں بتاؤ۔“

”ہماری کلاس کی سبھی تھی ناں۔“

میرا جی لچلے بھر کے لیے بجلی کے کھمبے کی طرح کھڑا ہو گا۔

”ہاں تھی۔“

”پتہ ہے یہ پروفیسر سہیل اس کے عشق میں مبتلا تھا۔ بڑا jealous تھا وہ آفتاب سے۔“

”نو.....!“

”لیس.....!“

”نومائی فٹ۔“

”تم میرے پاس آنا نیو کیمپس میں..... میں سارا قصہ سناؤں گی تمہیں۔“

اس کے بعد کوثر ہو میو پیٹھک ڈاکٹر کے ساتھ مشغول ہو گئی۔ اس کے بیٹے کے دانت نکل رہے تھے اور وہ اس تکلیف دہ مرحلے کے لیے دوا لینے آئی تھی میں نے دو گولیاں ڈاکٹر صاحب کے سامنے کھائیں باقی پڑیاں رومال میں باندھ کر جیب میں رکھیں اور کوثر سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے باہر چلا گیا۔

اس وقت میرا کوئی ارادہ نہ تھا کہ میں کوثر سے ملوں گا۔ لیکن کہانی کا ایک نیا کونہ یوں باہر نکل آیا جیسے دریا کا پانی اتر جائے اور غرقاب جہاز کا مستول نظر آنے لگے۔

اس تجسس لے ایک شام مجھے پھر نیو کیمپس جانے پر مجبور کر دیا۔

نہر کے کنارے کنارے پوپلیر کے درخت ہوا میں مسلسل ہل رہے تھے۔ سڑکیں خاموش تھیں۔ صرف ہوٹل کے لڑکے لڑکیاں پتھر یوں پر نظر آرہے تھے۔ میں لڑکوں کے ہوٹل کی جانب مڑ گیا۔ کوثر اور اس کامیاں گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کا سات ماں کا بچہ ایک اناڑی ملازم کی گود میں رو رہا تھا۔ جس وقت میں واپسی پر نہر کنارے پہنچا تو اچانک مجھے ڈاکٹر سہیل نظر آ گئے۔ وہ ہمیشہ کی طرح ملین ڈالر مسکراہٹ کے ساتھ دونوں ہاتھ ہلاتے آئے اور میرے موٹر سائیکل کی دونوں ہتھیاں پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

”کہاں بھی کہاں؟..... بڑے دنوں کے بعد نظر آئے نوکری مل گئی؟“

”مل گئی سر بھی کی۔“

”کسی لڑکی وڑکی کا چکر ہے یہاں۔“

”نہیں جی۔“

پتہ نہیں کیوں میں اسے کوثر کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا۔

پھر؟..... یہ ہوٹل سائیڈ سے کیوں آرہے ہو۔“

”آپ کو تلاش کر رہا تھا۔“

”تو اترو آؤ چلو کیفے ٹیریا میں چلتے ہیں، میں بھی کئی دن سے تمہیں ملنا چاہتا تھا۔

”نہیں سر یہیں ٹھیک ہے نہر کنارے۔“ میں نے اپنا موٹر سائیکل فٹ پاتھ کے

پاس کھڑا کر دیا۔

سہیل نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم دونوں نہر کنارے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

”آج میرے دل پر بہت بوجھ تھا..... میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا مل جائے جس

کے ساتھ میں اپنی تھوڑی share کر سکوں you know قوم..... آپ طالب علم

بہت مکینزکل ہو گئے وہ متحس نہیں رہے۔ وہ علم دوست نہیں رہے وہ..... اچھا ہوا

مجھے تم مل گئے..... میرے دل پر بہت بوجھ تھا آج۔“

میرا دل دھک دھک کرنے لگا..... خیال تھا کہ وہ یہی کے متعلق کچھ بتائے گا۔“

تم کو یاد ہے کہ ایک بار میں نے تمہیں ایک assignment لکھنے کو دی تھی.....

دیوانگی کی وجہ اور میں نے بار بار کہا تھا کہ یہ وجہ چاہے کتنی بھی far fetched کیوں

نہ ہوں۔ لیکن نظریہ تمہارا اپنا ہونا چاہیے۔

’جی مجھے یاد ہے۔‘

”میں کئی سال لڑکوں کو یہی Assignment دیتا رہا ہوں لیکن آج تک کسی

سٹوڈنٹ نے کوئی نئی بات نہیں کی..... اب میں نے یہ سوال پوچھنا چھوڑ دیا ہے سب

کتابوں سے چرا کر لکھ لاتے ہیں۔

مجھے ابھی تک یاد تھا کہ جس روز ہم دیوانگی کی آخری شکل خودکشی کی باتیں کر رہے تھے یہی نے سفید کرتا اور نیلی جینز پہن رکھی تھی۔

”ابھی ابھی کچھ دن پہلے ساری بات شیشہ ہوگی قیوم..... میں سمجھ گیا ہوں دیوانگی کی اصلی وجہ کیا ہے ہر وقت میں سوچتا رہتا ہوں کہ وہ ذہنی پراگندگی جس کی وجہ سے کوئی شخص خودکشی پر آمادہ ہوتا۔ یہ وجہ بھی اس فعل کی طرح مکمل طور پر مہبوت کرنے والی ہونی چاہیے۔ دراصل دیوانگی ایک خارجی علامت ہے لیکن اس کی وجہ خارجی نہیں..... اس کی اصلی وجہ میں بتاؤں قیوم..... بتاؤں بولو..... راز افشاں کروں دیوانگی کا۔“

کھلی آنکھوں والا وہ پروفیسر اس لحظہ مجھے خود دیوانہ سا نظر آیا..... کیا اس کی دیوانگی کی وجہ بھی یہی تھی۔

”بتائیے سر..... ضرور۔“

”میں بات کو سادہ کہہ دوں گا اور زیادہ تفصیلات میں نہیں پڑوں گا تم نے کبھی بائیولوجی پڑھی ہے۔“

”میسٹرک میں پڑھی تھی..... سر۔“

”پڑھا کر دبائیولوجی..... کوئی آدمی بوٹونی بائیولوجی اور فزکس کے بغیر اپنے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اس کی قدرت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اسے سمجھ نہیں آسکتی کہ کیسے اس کی تقدیر اس کی حیاتیاتی وراثت ہے۔ تمہاری آنکھوں کا رنگ۔ قد کی لمبائی رنگت ہی genes کے تابع نہیں تمہارا گوشت ہڈی اور اعصاب پر ہی Genes حاوی نہیں بلکہ ہر خلیے کے نیوکلیس میں کروموسومز کے ربن میں انسان کی تقدیر چھپی ہوتی ہے۔“

اس نے اپنے لب میرے کان کے ساتھ لگا دیے۔

”اور بیٹا جی مغرب کے لوگ مانیں نہ مانیں لیکن ان ہی جینز کے اندر ہماری

دیوانگی کا راز پنہاں ہے۔“

”کیسے سر! کیا آپ ماحول پر genetics کو ترجیح دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ دونوں چیزیں بالابالواسطہ یا بابالواسطہ ایک دوسرے کے بغیر چل نہیں سکتیں۔

ہمیں نے دیوانگی کا راز پایا ہے قوم اور وہ ہے تغیر نوع یا mutation سادہ طور پر سمجھ لو کہ جب کبھی evolution ہوتی ہے کوئی specie بدلتی ہے اس کی وجہ سے geve mutation ہوتی ہے ارتقاء انسانی کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے میں تبدیلی ہو۔ ہر نئی پود چھلی سے مختلف ہو..... یہ تبدیلیاں ابھی مکمل طور پر دریافت نہیں ہو سکیں۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ساری تبدیلی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

quees پوری طرح تغیر پذیر ہوں تو ارتقاء ہوتا ہے ٹوٹ پھوٹ جائے تو دیوانہ پن پیدا ہوتا ہے۔“

”سر آپ کا سارا علم مغرب سے مستعار لیا ہوا ہے۔ غالباً اسی لیے اس میں نیا پن نہیں ہے۔“ میں کوثر کی باتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

سہیل نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا..... Bastard کہتے..... تم سچ ہو لیکن جب میری ساری بات سنو گے تو شاید اپنی رائے بدل لو گے جیسے میں اپنے متعلق اپنی رائے بدل چکا ہوں tranquilizers, radiation اور ایسا ہی کئی زہریلی دوائیوں سے quess میں خطرناک mutation ہو جاتی ہے آج کا مغربی سائنس دان اس حقیقت سے بہت خوفزدہ ہے وہ جانتا ہے کہ ان باتوں سے تغیر تو ہوتا ہے لیکن مکمل نہیں ہوتا۔ تغیر پذیر gene لولالنگڑا ہو جتا ہے اور آنے والی نسلوں پر بڑے خطرناک نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

مثلاً دوسروں والا بچہ..... چھ انگلیوں والی اولاد..... ماتھے کے درمیان تیسری آنکھ والی مخلوق..... ایسے gene کے نتائج کچھ ہی ہو سکتے ہیں۔ بازو نہ ہوں سرے

سے..... لیکن میں نے ایک اور وجہ بھی دریافت کی ہے..... ایک نئی اور انوکھی وجہ جس سے تغیر پذیر ہوتے ہیں اور دیوانگی ہوتی ہے..... غور سے سنو میں اپنی تھیوری patent کروانے والا ہوں غور سے سنو..... یہ مغرب والے جب یہی نتیجہ اخذ کریں گے تو تم جیسے چرکے اسے فوراً اپنالیں گے۔ لیکن اپنے آدمی کا اعتبار نہیں کریں گے۔ یہی سیاہ آدمی کی پس ماندگی کی وجہ ہے۔“

”آپ تھیوری تو بتائیں سر۔“

”مغرب کے پاس حرام حلال کا تصور نہیں ہے اور میری تھیوری ہے کہ جس وقت حرام رزق جسم میں داخل ہوتا ہے وہ انسانی genes کو متاثر کرتا ہے رزق حرام سے ایک خاص قسم کی mentation ہوتی جو خطرناک ادویات شراب اور radiation سے بھی زیادہ مہلک ہے رزق حرام سے جو genes تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ لنگڑے اور اندھے ہی نہیں ہوتے بلکہ ناامید بھی ہوتے ہیں نسل انسانی سے۔ یہ جب نسل در نسل ہم میں سفر کرتے ہیں تو ان genes کے اندر ایسی ذہین پراگندگی پیدا ہوتی ہے جس کو ہم پاگل پن کہتے ہیں۔ یقین کر لو رزق حرام سے ہی ہماری آنے والی نسلوں کو پاگل پن وراثت میں ملتا ہے۔ اور جن قوموں میں من حیث القوم رزق حرام کھانے کا لپکا پڑ جاتا ہے۔ وہ من حیث القوم دیوانی ہونے لگتی ہیں..... کیوں اب بتاؤ یہ بات مغرب کے علم سے مستعار لی ہے کہ مشرق سے؟

میں حیران پریشان ان کا منہ تکلنے لگا۔

یاد رکھا بھی مغرب والے یہاں تک نہیں پہنچے..... جب ہم سور کا گوشت نہیں کھاتے تو وہ حیران ہوتے ہیں۔ جب ہم بکرے پر تکبیریں پڑھ کر اسے حلال کرتے ہیں تو وہ تعجب سے دیکھتے ہیں۔ جب ہم عورت سے زنا نہیں کرتے۔ نکاح پڑھ کر اسے اپنے لیے حلال بناتے ہیں تو وہ سمجھ نہیں سکتے..... بھائی میرے کیسے سمجھیں حرام حلال کا تصور انسانی نہیں ہے اس لیے..... اس میں بھید ہے گہرا بھید

qene mutation کا..... حرام حلال کی حد سب سے پہلے بہشت میں لگائی تھی
اللہ نے۔

”آپ کی بات انوکھی تو ضرور ہے پروفیسر صاحب۔ لیکن مجھے کچھ ان سائنٹفک
لگتی ہے۔

لگے گی لگے گی لگتی رہے گی۔ کیونکہ بات کرن والا ایک معمولی مشرقی آدمی ہے۔
تمہارے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر نیوکیمپس پر چلنے والا..... کہیں جو یہ نظریہ مغربی فلاسفر
کے منہ سے سن پاتے تو فوراً قائل ہو جاتے..... مائی ڈیکر سٹوڈنٹ..... حرام کیا ہے؟
وہ جس سے منع کیا گیا..... اچھے اور برے کا سوال نہیں ہے، صرف جو چیز منع فرمائی
ہے اللہ نے وہ حرام ہے اسی لیے حرام و حلال کا جھگڑا سب سے پہلے جنت میں پیدا
ہوا۔ جب حضرت آدمؑ نے شجر ممنوعہ سے توڑ کر کھایا۔ اچھے برے کا سوال نہیں
تھا..... بس وہ جو منع تھا اپنے پر حلال کیا..... اس گندم کے دانے کا رزق حرام جس
وقت ان کے جسم میں داخل ہوا..... ایک خطرناک تغیر آیا ان کے جسم میں ان کے
genens میں..... اس تغیر سے اللہ نے انہیں ڈرایا تھا۔ اس وقت تک حضرت آدمؑ
اور اماں حوا کے تمام خلیے صالح تھے۔ ان کا نیوکلس محفوظ طریقے سے ٹوٹتا ہے لیکن اب
اس نیوکلس میں چھپے ہوئے genes میں تبدیلی آئی genens mutat ہوئے
لو لے لنگڑے اندھے اور ناامید اور آنٹے والی نسلوں میں منتقل ہو گئے..... اسی لیے
دیوانہ پن کے پہلے آثار ہابیل اور قابیل کے جھگڑے میں واضح ہوئے۔ پہلا قتل ہوا
حضت! دیوانگی خود کشی کی مشکل میں منج ہوئی کہ قتل کی شکل میں اس سے کون انکار کر
کتا ہے کہ دیوانگی کی شدید شکل انسان کش ہے..... جھگڑا ہابیل قابیل میں نہ ہوا
تھا..... یہ ان کی وجہ تھی جو حضرت آدمؑ کے وجود میں شجر ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے
ٹوٹے پھوٹے تھے..... پھر چل سوچل ہوا..... ایک سے دوسری پود تک ہم یہی ورثہ
دیتے آئے ہیں۔ خود رزق حرام کھاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو پاگل پن کی

وراثت genes میں پیک کر کے عطا کرتے ہیں۔ بیٹا نہ سہی پوتا سہی، پوتا نہ سہی چند نسلوں آگے کوئی شریف النفس بچی سہی..... اس تقدیر سے کوئی بچ نہیں سکتا جو genes میں لکھی جاتی ہے۔

”غالباً آپ بابا آدم کی مذہبی کہانی کو نئے طور پر interpret کر رہے ہیں،“
 ”مائی فٹ..... ڈاکٹر سہیل چلایا..... مذہبی کہانی کی نئی تو جیہہ ایک معمولی کام ہے میں ایک بہت بڑا انکشاف کر رہا ہوں..... سیدھی سی بات ہے بھائی میاں جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں اندر جا کر ہمارے لہو کی ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔
 ہوتا ہے کہ نہیں..... اندر بلڈ کیمسٹری چلتی ہے کہ نہیں؟“
 ”جی چلتی ہے۔“

”تو سمجھ لو بخوبی طور پر کہ جو رزق حلال ہم اندر ڈالتے ہیں۔ اس کا بلڈ کیمسٹری پر مثبت اثر ہوتا ہے اور جو رزق حرام اندر داخل ہوتا ہے اس کا منفی اثر ہوتا ہے ہمارے لہو پر۔“

یعنی ایک بوری آٹا جو حرام کی کمائی سے آیا اور ایک بوری آٹا جو حلال کی کمائی سے آیا..... ان کی بلڈ کیمسٹری مختلف ہوگی؟ جانے دیجئے سر۔

”ضرور..... یقیناً..... انشاء اللہ..... جو شخص حرام کی بوری سے کھائے گا۔ اس کے لہو کی کیائی حالت مختلف ہوگی اور اس لہو میں genes کی توڑ پھوڑ متفی ہوگی۔“
 ”جائیں سر..... جانے دیں۔“

”مان جائیں بابا جی مان جائیں مغربی تعلیم کے پرستار و جی مان جائیں۔ اگر کبھی مغرب کے پاس حرام حلال کی تصور ہوتا تو وہ کبھی کے پاگل پن کی اصلی وجہ دریافت کر لیتے۔“

”جناب پروفیسر بقراط صاحب..... آٹا ایک مادی چیز ہے اس کا جو کچھ بھی کیمیکل اثر ہوگا۔ دونوں حالتوں میں ایک سا ہوگا کیونکہ ان دونوں میں ایک خاص

مقدار تک کاربوہائیڈریٹ اور پروٹیز وغیرہ ہوں گے۔

پانی مادہ ہے..... ہے کہ نہیں؟ لیکن دم کیے ہوئے پانی کی تاثیر بدل جاتی ہے جس پانی میں سے بجلی گزرتی ہے۔ اس کے اثرن پھٹ جاتے ہیں کہ نہیں گدھے آدمی جس وقت آنا رزق حرام سے خریدا جاتا ہے اس میں ایک منفی چارج جمع ہو جاتا ہے۔“

”چھوڑیفس سر بات آپ folvore کی کر رہے ہیں اور بنانا اسے سائنٹفک چاہتے ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ دادا کا گناہ پوتے تک کیسے پہنچتا ہے..... مفلس کیسے سفر کرتی ہے انسانوں ڈمیں۔“

”بیماریاں طے ہے کہ کچھ موروٹی ہوتی ہیں۔“

”اور دیوانہ پن۔؟“

”دیوانہ پن موروٹی ہو سکتا ہے اور ماحولیاتی بھی لیکن موروٹی کی وہ وجہ نہیں ہے جو آپ بیان کر رہے ہیں۔“

مانو گے مانو گے بچو! ابھی نہیں..... جس وقت کوئی سفید صاحب تمہارے گلے میں انگوٹھا دے گا تب!..... تب آپ کا باپ بھی مانے گا کہ رزق حرام ہی پاگل پن کی اکلوتی وجہ ہے۔

”میرا باپ بیورو کریٹ نہیں ہے سر..... شاید وہ آپ کی بات مان جائے۔“

سہیل نے میرے کندھے پر زور ڈال کر پوچھا..... کہاں ہے تمہارا باپ وہ میری بات ضرور سمجھے گا..... وہ جانتا ہو گا کہ اللہ علیم ہے..... اگر اس نے گوشت پر تکبیر پڑھنے کا حکم دیا ہے تو..... وجہ ہوگی ضرور کوئی۔ میں اسے بتاؤں گا کہ کیا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اگر تکبیر نہ پڑھی جائے تو..... ظالم سوچ تو سہی کی تکبیر پڑھنے سے مرغی کا گوشت بدل جاتا ہے؟..... نہیں۔ ہرگز نہیں صرف حرام گوشت سے

genes پر منفی اثر پڑتا ہے۔ یہ ساری حکمت تھی..... اور تم جیسے کودن کو میں سمجھا رہا ہوں اور تم سمجھتے نہیں۔

اس نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور بولا/ مذہبی اعتقادات ہیں ہی سائنس بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سور کا گوشت حرام ہے۔ اس پر سوئگبیریں پڑھ لو، یہ حرام ہی رہے گا، جو کھائے گا وہ اپنی genen mutation کا خود ذمہ دار ہوگا۔

”کیا اسی لیے عورت کو بھی حلال کر کے استعمال کرنے کا حکم ہے“..... میں نے طنز سے سوال کیا،

”زنا سے پیدا ہونے والے بچے کو تو gene mutation کا سو فی صد خطرہ ہوتا ہے زنا سے منع کیوں کیا اسی لیے ورنہ جسمانی تعلق کوئی بدل تھوڑی جاتا ہے شادی کرانے سے..... یا نہ کرانے سے..... جسمانی تعلق دونوں صورتوں میں وہی رہتا ہے۔“

”پلیز آپ عورت کو بکرے کے گوشت سے نہ ملائیں، آج کل ویمن لبریشن چل رہی ہے کسی عورت نے سن لیا تو وہ آپ کو حلال کر دے گی..... بلکہ حرام کر دے گی۔“ وہ نہر کنارے خود ردگھاس پر بیٹھ گیا اور چپ ہو گیا، پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر بہتے پانی میں پھینکا، تھوڑے سے چھینٹے اڑے اور پانی روانی پر قائم ہو گیا اس قوت میرے جی میں آئی کہ میں اس سے سیبی کے متعلق پوچھوں۔ وہ کس حد تک سیبی میں گوندھا گیا تھا؟

’یا سوچو تو بکرے کا گوشت مادی رزق کی شکل ہے..... عورت کا گوشت کو کبھی کبھی روحانی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن ہے وہ بھی رزق ہی کی شکل..... میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رزق چاہے مادی ہو یا روحانی genes کو متاثر ضرور کرتا ہے تم مانو نہ مانو یہ حرام و حلال کا بڑا خالم چکر ہے..... کبھی کبھی رزق حرام سے فردا فردا پاگل پن پیدا نہیں ہوتا..... بلکہ قوم کی قوم دیوانی ہو جاتی ہے سوڈا اور گومورا کی طرح مائی

ڈیرن عورت کے معاملے میں تو بہت احتیاط برتنی چاہیے، اس کے پاس تو مشین موجود ہے..... ایسا بچہ جن دیتی ہے فٹ زنا کے بعد..... اور آنے والی نسلوں میں بیچ چھوڑ دیتی ہے دیوانگی کے۔

”اچھا سر میں پھر کسی وقت حاضر ہوں گا“

بھاگو..... بھاگو..... تم صاحبزادے کبھی حاضر نہیں ہو گے۔ ہم جیسے پروفیسروں کے پاس کبھی کوئی حاضر نہیں ہوتا..... تم لوگ ایسی لڑکیوں کے پاس وقت گزارنا چاہو گے جو تمہیں..... اچھا چھوڑو this is your age

”آپ بھی مجھ سے کچھ زیادہ بڑے نہیں ہیں سر اور پھر جب کبھی میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں آپ حوصلہ شکنی کر دیتے ہیں ڈ۔“

اس نے اپنی کھوپڑی پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا..... یہاں..... بہت بڑھا ہو گیا ہوں قیوم..... دعا کرنا میری تھیوری کامیاب ہو جائے۔
”ہوگی جی انشاء اللہ ضرور ہوگی“

”اس نے لمبی سانس بھر کر کہا..... میں بڑا ہی چھوٹا آدمی ہوں مجھے پاکستان سے ایسی تعصب انگیز محبت ہے کہ میں کوئی بڑا کام کر نہیں سکتا، میں جب بھی سوچتا ہوں پاکستان کی terms میں سوچتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یہ پدا سا ملک جغرافیہ کے نقشوں میں کسی طرح بڑا ہو جائے۔ جب کبھی ہماری ہاکی ٹیم یا کرکٹ ٹیم کوئی میچ جیت جاتی ہے تو ایک foolish لڑکی کی طرح میرا تالیاں بجانے کو جی چاہتا ہے..... یا میرا جی چاہتا ہے کہ میری تھیوری کامیاب ہو۔ مغرب کے لوگ قائل ہوں کہ ایک پاکستانی مسلمان نے اتنا بڑا کام کیا۔“

”انشاء اللہ سہیل صاحب ایسے ہی ہوگا۔“

Its very silly of me لیکن میں نے پاکستان سے زیادہ کبھی کسی لڑکی سے محبت نہیں کی..... سیسی شاہ سے بھی نہیں